Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 3, Issue 4
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

آصف اقبال

استاد شعبہ اردو، یونی ورسٹی کالج، لاہور

ڈاکٹر معین الدین عقیل کی انتقادیات: مطالعہ و تجزیہ

Asif Iqbal
Department of Urdu, UCL, Lahore.

A Brief Review Of Dr.Moinuddin Aqeel Criticism

Moinuddin Aqeel is a renowned author, scholar, author and critic and as well as a linguist too. His criticism on various genres possesses a clear and vivid opinion. Especially, he has critically reviewed the history of Urdu language and Literature in South Asia under the imperial and colonial rules and the role of Urdu language in the independence movement. He has examined the various literary works and brought out their true picture before readers. His vast study and critical reviews have important place in contemporary literary circles. Being a researcher and critic, he has been largely responsible for the revival of the interest in South Asian Urdu study and research. He has critically analyzed various books and articles and gave his personal view about them especially on Urdu research and social attitude about mother Language. I have no hesitation in saying or writing here that Moinuddin Aqeel is not just the name of a person, but the name of a bright institution of knowledge and wisdom.

Keywords: Moinuddin Aqeel, scholar,critic, Urdu Literature, critical reviews, South Asia, Language, Indian Independence Movement.

کلیدی الفاظ: ہمہ جہت، سامراجی ,اقبالیات,الفریڈ ہچکاک

ڈاکٹر معین الدین عقیل کا نام اردو ادب کے عصری منظر نامے پر ہمہ جہت اور باشعور مصنف و دانش ور کے طور پر معروف ہے۔ وہ جنوبی ایشیا میں اردو زبان و ادب کی تحریکوں، ان کے اثرات اور ان سے وابستہ شخصیات کی تاریخی جد وجہد کے نباض ہیں۔ انھوں نے ہر صنف ادب کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کیا، اس کے اسرار و رموز کو سمجھا، تجزیہ کیا اور پھر اپنے اس تجزیے میں اپنے قاری کو بھی شریک کیا۔ ان کے مضامین ابہام اور پیچیدگی سے مبرا ہیں۔ اردو ادب، تاریخ، تحقیق، تنقید اور تدریس وغیرہ، غرض کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں انھوں نے اپنے تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی جوہر نہ دکھائے ہوں۔ وہ بیک وقت صحافی، محقق، ناقد، ادبی کالم نویس اور بہترین تبصرہ نگار ہیں۔ ان کی تنقید معاصر ادبی تحقیق، ادب کے حوالے سے معاشرتی رویے، ادیب کی لاپروائی اور جدید دور میں سہل پسندی کے خلاف ایک تازیانہ ہے۔

معین الدین عقیل اپنی اولین حیثیت میں تاریخی محقق ہیں۔ انھوں نے جنوبی ایشیا میں سامراجی بالادستی اور ان کے زیر اثر برعظیم کی

 Corresponding Author،s Email: asifiqbal181.asif@gmail.com

معاشرت پر ان کے اثرات کا اپنے مختلف مضامین اور کتب میں تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے لیکن ان تحریروں کا خاص پہلو یہ بھی ہے کہ ان میں تنقیدی نکات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ایک تاریخی محقق کے طور پر ان کا مرتبہ تو مسلم ہے لیکن بطور نقاد وہ اتنے معروف نہیں تاہم اپنے تحقیقی اور نظری مباحث میں وہ جن نظریات کی تبلیغ کرتے ہیں ان کے تنقیدی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اردو ادب اور تحقیقی صورتحال پر ان کے استدلالی مباحث بے مثال ہیں۔ یہ طے ہے کہ تنقید کا مثبت پہلو روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ تخلیق کی تفہیم ہے اور منفی پہلو تفہیم سے زیادہ تنقیص ہے۔ ناقد کی ذمہ داری ہے کہ تخلیق پر تنقید کے ساتھ ایسے امور سامنے لائے جو اسے بہتر بنانے میں مددگار ہو۔ اردو ادب کی تنقید میں الطاف حسین حالی سے لے کر شمس الرحمن فاروقی اور رفیع الدین ہاشمی تک بے شمار نقاد سامنے آتے ہیں جن کے نظریات کبھی متوازی اور کبھی مساوی رہے جب کہ معین الدین عقیل کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے جن تخلیقات کا بطور محقق جائزہ لیا، انھیں تنقیدی نقطۂ نظر سے پرکھا اور پھر اس کے متعلق اپنی رائے دی ہے۔

لہٰذا اگر ان کی تحقیق و تنقید کا تجزیہ کیا جائے تو یہ دونوں متوازی خطوط کی طرح ان کی تحریروں کے ہم رکاب رہے ہیں۔ وہ تحقیق کے دوران نہ صرف متعلقہ کتاب کا تنقیدی مطالعہ پیش کرتے ہیں بلکہ درست حقائق کی حقیقی تصویر بھی سامنے لانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحقیق میں تنقیدی رنگ جابجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ ان کی تنقید فن پاروں پر بے جا تبصرہ نہیں، نہ عام حوالے کی باتیں ہیں بلکہ اس میں حقائق جاندار، دریافت و صداقت کا کھوج، واقعیت کی عظمت موجود ہے۔ ان کے تنقیدی موضوعات میں تمام اصناف شامل ہیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل ایک نکتہ دان اور صاحب الرائے نقاد ہیں۔ واقعات کی تشریح و تعبیر کے لیے وہ فن پارے کا محض ایک پہلو ہی نہیں دیکھتے بلکہ حقائق کا عرق ریزی سے جائزہ لے کر حتمی رائے دیتے ہیں۔ اس میں تصنیفات کے علاوہ وسیع پیمانے پر لکھے گئے مقالات ہیں۔ خصوصاً انکی معروف تصنیف "تحریک آزادی میں اردو کا حصہ" جو دس ابواب پر مشتمل ہے، میں حب وطن پر مبنی قدیم ادب، اردو شاعری، علی گڑھ تحریک، جدوجہد آزادی کے شعرا اور افسانوی ادب میں آزادی کا جذبہ، جس میں ناول، افسانہ، ڈرامہ کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہوئے تحریک آزادی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ان کے تنقیدی موضوعات میں "تحریک پاکستان اور مولانا مودودی"، "تحریک آزادی میں اردو کا حصہ"، "کلام نیرنگ" (میر غلام بھیک نیرنگ) ترتیب و مقدمہ ۱۹۸۲ء، "تحریک پاکستان کا تعلیمی پس منظر"، اقبالیات اور غالب، "پاکستانی زبان و ادب، مسائل، مناظر"، "پاکستان میں اردو تحقیق، موضوعات و معیار"، "اردو تحقیق صورت حال اور تقاضے"، قومی زبان کی صورت حال پر مختلف مضامین، "فروغ لسانیات کی ضرورت اور ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کی لسانی خدمات"، "نثری نظم، جواز عدم جواز"، 'دست تہ سنگ کی غزلیں"، "طنز و مزاح کے دس سال"، "فروغ بادہ اقبال"، تاریخی تجزیے وغیرہ شامل ہیں۔

ان کی کتاب "رسمیات مقالہ نگاری" پاکستان میں اردو تحقیق کی زبوں حالی پر تنقیدی آرا اور تصحیحِ صورت حال کے لیے ایک حقیقی خاکے کی نشاندہی ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے خصوصی طور پر اُن حقائق کا جائزہ لیا ہے جو تحقیق کے طور پر مشرق و مغرب میں رائج ہیں اور جو "طریقۂ تحقیق"، "اصولِ تحقیق" اور "اسالیبِ تحقیق" کہلاتے ہیں لیکن انھوں نے اسے "رسمیات مقالہ نگاری" کا نام دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یعنی یہ معاملات یا مسائل کہ "رسمیات تحقیقات کیا ہوں؟ یا تحقیقی معلومات و نتائج یا حاصلات کو کس طرح پیش کیا جائے؟ ان کے مآخذ یا ان کی اسناد کلی کا حوالہ کس طرح دیا جائے؟ حواشی و تعلیقات کس طرح لکھے جائیں؟ یا متن یا بین السطور اقتباس کس طرح نقل کیا جائے؟(۱)

مشرق اور مغرب میں "رسمیات مقالہ نگاری" کے نظریات اور اصولوں کے جائزے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جدید دور میں مقالہ نگاری میں حوالے دینے اور کتابیات کے لیے جدید اصولوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنی کتاب "پاکستانی زبان و ادب، مسائل و مناظر" میں موجودہ دور میں اردو زبان کی صورت حال اور معاشرتی رویوں پر تنقیدی تبصرے کیے ہیں جس میں اردو زبان میں انگریزی الفاظ

کا استعمال نسخ اور نستعلیق، مادری زبان ایک بڑا المیہ، انگریزی زبان کی تدریس، نفاذ اردو، ہماری ذمہ داریاں، زبان کا مزاج اور ہماری بے احتیاطی، ذرائع ابلاغ کا منفی کردار، قومی زبان کا نفاذ، جیسے موضوعات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کی "لسانی خدمات" کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ لے کر ان کا مقام و مرتبہ متعین کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اردو زبان، قواعد اور لغات کے تعلق سے اس دوران جو تحقیقی مقالات بھارت اور پاکستان کے مختلف احباب علم نے لکھے، ان میں بھی کہیں کہیں جدید لسانی شعور کا استعمال نظر آتا ہے۔ غیر ممالک میں ایسی کوششیں زیادہ دقیع اور سائنٹفک بنیادوں پر ہوئیں جیسے الفریڈ ہچکاک نے واشنگٹن کے اطلاقی لسانیات کے مرکز میں اردو کے صوتیوں پر ایک تجزیاتی مقالہ تصنیف کیا۔ اس موضوع پر زیادہ متصل کام روس کے مختلف لسانی تحقیق مراکز میں ہوا، افسوس کہ پاکستان میں اس نوع کی کوششیں بہت کم ہوئی ہیں۔"(۲)

اس حوالے سے وہ لسانیاتی تحقیق میں ڈاکٹر مسعود حسین خان، انور، ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے تحقیقی اور تنقیدی کاموں کو اہم اضافے سمجھتے ہیں۔ لسانی مطالعہ کے ضمن میں وہ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کے ترکی اور اردو کی تشکیل کے مشترک عناصر، یا جامع القواعد اور بینجمن شلذے کی تحریر کردہ ہندوستانی گرائمر کا ترجمہ اور ترتیب، تعلیقات اور کراچی کے عظیم "لغت کی تصحیح" کو بنظر تحسین دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنی کتاب "پاکستان میں اردو تحقیق (موضوعات و مسائل)" میں مختلف لسانی اور ادبی تحقیقی کاموں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے مسائل کے حل اور اس حوالے سے محققین کے رویوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں نظم و نثر، تذکرے کے حوالے سے نئے متون کی دریافت و اشاعت، مختلف ادبی شخصیات، نفسیات اور ادبی تاریخوں کا تجزیہ شامل ہے۔ اسی طرح "اردو تحقیق صورت حال اور تقاضے" میں پاکستان میں اردو تحقیق کا تشکیلی دور، جامعاتی تحقیق، تحقیق کس طرح نہیں ہونی چاہیے؟ اور تحقیق کو کس طرح ہونا چاہیے۔ ان مختلف موضوعات کو لے کر تحقیقی صورت حال کی دگرگوں حالت کا تنقیدی اور تاریخی تجزیہ پیش کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ پاکستان میں ادارہ جاتی اور جامعاتی سطح پر تحقیقی معیار ان حدود کو نہیں چھوتا جسے تحقیق کو تنقید کے پیرائے میں درست قرار دیا جاسکے۔ پاکستان کی جامعات کے کردار پر تنقید کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ایچ۔ ای۔ سی کے کردار، جامعات کی صورت حال اور مقالہ جات کے حوالے سے تحقیقی صورت حال پر خصوصی نظر کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جامعات میں محلوں کے معیار "اردو تاریخ نویسی"، "غیر معیاری تحقیق کی عمدہ مثال" اور "جامعات میں غیر میعاری تحقیق کا فروغ" سیر حاصل تنقیدی اور تعمیری آرا پیش کی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تاریخ کے ساتھ تحقیقی بد سلوکی کی مثال "تعلیقات گارساں دتاسی، سید ان بادشاہ گر اور تاریخ تناولیاں" کے ذریعے دی ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کی تحقیق شناسی دراصل تحقیق کو دریافت اور حقائق کی کسوٹی پر پرکھنا ہے، جو ان کے نزدیک مجموعی طور پر مقصود ہے۔ اس حوالے سے وہ جامعات کے اساتذہ کی نفسیات اور محققین کی سوچ کو واضح کرتے ہیں جو ادبی تحقیق کی راہ میں مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ادبی موضوعات جن میں نظم و نثر اور تحقیق شامل ہیں، کے مختلف پہلوؤں کو تنقیدی انداز سے پرکھتے ہوئے ان کے حوالے سے اپنی رائے دی ہے۔ اپنے تنقیدی مضامین نثری نظم، جواز اور عدم جواز: "پاکستانی زبان و ادب، مسائل و مناظر" میں "ادب" کے موضوع پر انہوں نے مختلف اصناف کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ نثری نظم۔ جواز اور عدم جواز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"نثری نظم کے موازنے میں موجودہ بحث کا ماحصل جو کھل کر سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ شاعر کو روایتی ہیئت کے حصار میں مقید نہیں رہنا چاہیے۔ اس نقطہ نظر کے تحت یہ کہا جاتا ہے کہ اصناف کی پابندیوں کی بجائے بہتر یہ ہے کہ ہیئت کی نئی تشکیل میں نئے تجربات کیے جائیں اور اظہار کو زیادہ بے ساختہ بنایا جائے لیکن اس بحث کے دوران بار بار ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا جارہا ہے کہ کیا ان شعراء نے جو نثری نظم کا جواز پیش کر رہے ہیں، دیگر اصناف سخن میں طبع آزمائی کرلی ہے کہ جس کے بعد انھیں ان اصناف کی تنگ دامنی کا احساس ہو رہا ہے۔"(۳)

چنانچہ واضح کرتے ہیں:

"نثری نظم نثر کے مطابق ہوتی ہے اس میں زور اور تاثیر پیدا نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک نثری نظم محض شاعر کا آزاد تلازم ہے، جس میں وہ محرک سے متاثر ہو کر اپنے ذہن اور حافظے کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔"(۴)

ان کا نقطۂ نظر ہے کہ نثری نظم اپنی ہیئت کے حوالے سے "اردو ادب میں حقیقی افسانہ" ہوتی ہے اگر اس کے ذریعے اردو ادب میں نئے تصورات کا نفوذ ہو تو یہ ادبی سطح اپنے مقام و مرتبے میں مزید معتبر بنے گی۔ڈاکٹر معین الدین عقیل نے فیض کے مجموعہ ہائے کلام مثلاً "زنداں نامہ"، "نقش فریادی"، "دست صبا" اور "دست تہہ سنگ" کی غزلوں کا آپس میں موازنہ کیا ہے، پرکھا ہے اور اس حوالے سے اپنی تنقیدی آراء پیش کرتے ہوئے فیض احمد فیض کی شعری خصوصیات اور مزاج کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ "دست تہہ سنگ"" کی غزلوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے وہ واضح کرتے ہیں کہ ان غزلوں کی تخلیق کی نو سالہ مدت کا احوال اور اس کی روداد فیض نے "دست تہ سنگ" کے مقدمے کی آخری سطور میں مختصر طور پر بیان کی ہے۔ وہ فیض کی غزلوں کا تنقیدی جائزہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نقش فریادی" سے "زنداں نامہ" تک فیض کی شعری خصوصیات و مزاج کے تعلق کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ فیض نے ایک تو وقت کے ان مسائل کی ترجمانی کی ہے جن سے التجائی جذبات وابستہ ہوتے ہیں، دوسرے فیض نے زبان و بیاں کے ایسے پیرائے استعمال کیے جو عموماً مانوس اور پر اثر تھے، تیسرے فیض کے مزاج میں ذاتی درد و غم کی کسک بھی موجود ہے، مخصوص معاشرتی اور سیاسی پس منظر کے حامل استعارے تخلیق کیے۔ منفرد علامتیں استعمال ہیں۔ روایتوں سے کام لیا، تجربوں سے استفادہ کیا"(۵)

"دست تہ سنگ" کے پس منظر میں وہ فیض کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ فیض کی شاعری کا عنصر رومان و حقیقت اور آرزو کیفیت ہے۔ لیکن محرومیت اور ناسودگی دو دھاری تلوار کی طرح تسکین اور نجات کی طرف لے جاتی ہے۔ ان کے بقول "دست تہ سنگ" کی غزلوں میں پہلے مجموعے کے مقابلے میں اس مجموعے کی غزلوں میں زبان و بیاں کے اعتبار سے خاصی ہمواری اور پختگی پائی جاتی ہے(۶)۔ "اور "رومان سے حقیقت تک اور حقیقت سے رومان کی طرف ان کی آمد و رفت اب تک جاری ہے(۷)۔ "فنی اعتبار سے ان کی شاعری کو پرکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فنی اعتبار سے یہ اشاراتی انداز بڑا کارگر ہے۔ تلخ سے تلخ بات کہتے ہوئے متانت کا ہر پہلو نظر انداز نہیں ہوتا، رمز و کنایہ نے ہمیشہ ایک لطیف قسم کی تُرشی برقرار رکھی ہے اس لیے فیض کا وار بھرپور اور کاری ہوتا ہے اور وہ شعریت کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے اور یہی شعریت عموماً ان کے پیغام کو پروپیگنڈا ہونے سے بچا لیتی ہے۔"(۸)

فیض احمد فیض کے مجموعہ "دست تہ سنگ" کی غزلوں کی فنی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے وہ فیض کی شخصی رومانیت کا تجزیہ پیش کرتے ہیں:

"رومانیت ان کی شخصیت اور شاعری کا بڑا اہم وصف ہے۔ ان کے فکر و فن دونوں میں رومانویت کی جلوہ گری اور کار فرمائی شروع سے آخر تک پائی جاتی ہے۔۔"(۹)

ماہر القادری پر اپنے تنقیدی مضمون "فروغ بادہ اقبال۔۔۔ماہر القادری" میں ڈاکٹر معین الدین عقیل ماہر القادری کی شاعری کے مختلف رجحانات اور اسالیب کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ماہر القادری نے اپنی شاعری کا آغاز قدیم رنگ آخر سے کیا۔ ان کے نظریہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کا نظریہ شاعری یوں اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاعری، "قلب میں تسکین اور روح میں انقلاب پیدا کر سکے" چنانچہ ان کی شاعری اسی اصول کے تابع نظر آتی ہے۔"۔۔"ماہر القادری نے اقبال کے اثرات واضح طور پر قبول کیے ہیں ان کی اقبال کے ساتھ سرسری ملاقات ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ ہوئی! اس حوالے سے مولانا ماہر کے الفاظ ہیں کہ ان کے نقش کسی ملاقات میں نہ دب سکے"(۱۰)

"آئینہ اعتبار" اقبال شوق کی رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے رباعی کی صنف پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے اقبال شوق کی رباعیوں کے فنی اور فکری محاسن کا تنقیدی جائزہ لیا ہے جو در اصل ان کے مشاہدہ "انفس اور آفاق" پر مبنی ہے۔ چنانچہ شوق کے کلام کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ کثرت کے اندر وحدت کو عنقا تصور کرتے ہیں۔ وہ ان کے مشاہدے کو ان کا بڑا وصف قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاعر کی آنکھیں اپنے اطراف کے مظاہر و موجودات پر گرم تماشا ہیں۔ مضمون "اردو تحقیق میں انفرادیت کی ایک مثال: حسام الدین راشدی" میں ڈاکٹر معین الدین عقیل حسام الدین راشدی کی تحقیق کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے ان کی علمی و ادبی خدمات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ یہ مضمون "قومی زبان: کراچی میں ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں، یہ ۲۰۱۴ء میں چھپنے والی کتاب "اردو تحقیق، صورت حال اور تقاضے" میں بھی شامل کیا گیا، موجودہ تجزیہ اس کتاب سے لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل پیر حسام الدین راشدی کو متعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرحوم اپنے علمی کمالات کی رو سے ایک مورخ بھی ہیں، ایک محقق بھی اور ایک صاحب طرز انشا پرداز بھی۔ انھوں نے اپنی تصنیفی سرگرمیوں کو سندھ کی تاریخ و تہذیب کے مطالعہ و تحقیق تک محدود رکھا۔ انھوں نے تذکرہ نگاری، تحقیق و ترتیب متن اور زبان و ادب کے عمیق جائزے اور مطالعہ تک پھیلا دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے طرز نگارش کی تعریف کی ہے اور اسے اردو تحقیق کی تاریخ میں منفرد قرار دیا ہے۔ اردو ادب سے ان کی وارفتگی اور شیفتگی مثالی تھی۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے حسام الدین راشدی کی علمی خدمات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اگر پیر صاحب کی تاریخ نویسیوں کو یوں ہی ایک لمحہ کے لیے گفتگو سے باہر رکھا جائے تو ان کی علمی خدمات کا دائرہ اردو زبان کے مطالعے، تحقیق و تصنیف، اردو زبان کے فروغ و نفاذ کی کوششوں کے گرد گھومتا ہوا نظر آئے گا۔ (۱۱)

چناں چہ پیر حسام الدین راشدی جن کاموں میں مددگار اور محرک رہے ان کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔ ان کی تصانیف "مولانا محب علی سندھی کے احوال و آثار" "فتاوی عالمگیری" کے سندھی مؤلفین پر ان کا مقالہ" "اردو زبان کا اصل مولد سندھ" جو سید سلیمان ندوی کے نظریے کی توضیح ہے، "سندھی ادب"، "مقالات راشدی"، "مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب" اور "تذکرہ شعرائے کشمیر" اس لحاظ سے مثالی کام ہے کہ جو تذکرہ ایک جلد میں سمٹا تھا، پیر صاحب نے اپنی تعلیقات کے ذریعے اسے چار جلدوں میں پھیلا دیا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل اردو اور فارسی ادب کی تحقیق میں انھیں امتیاز علی عرشی، محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، اور سید عبداللہ کے ساتھ صف آرا نظر آتے ہیں۔ ان کے بقول، پیر صاحب کا تحقیقی و تصنیفی کام زیادہ تر فارسی، پھر سندھی اور پھر اردو میں ہے ان کو تاریخ سے مثالی لگاؤ تھا۔ وہ ہمیشہ ماضی کو تازہ کرنے میں مصروف رہے۔ وہ جس جس علمی اور اشاعتی ادارے سے منسلک رہے، اپنے اختیارات اور اثر کو استعمال کرتے رہے کہ فارسی زبان میں لکھے ہوئے متون اور تاریخیں اردو زبان میں منتقل ہو جائیں اور عام استفادے میں آجائیں چنانچہ ایک منصوبے کے تحت انہوں نے جنوبی ایشیا کے مسلم عہد کی مستند اور مفید تاریخوں کو اردو میں منتقل کرا دیا ۱۲۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل ان کی علمی بصیرت کا اعتراف کچھ اس انداز میں کرتے ہیں:

" پیر صاحب آج موجود نہیں لیکن ان کے تحقیقی و تصنیفی کاموں نے انہیں زندہ رکھا ہے وہ آئندہ بھی زندہ رہیں گے ان کے اعلیٰ معیار کے تحقیقی کام زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں یا ان کی کوشش باوصف فارسی سے اردو میں منتقل ہوئے اردو میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اپنے موضوعات کے لحاظ سے وہ صرف ان ہی کے ساتھ منسوب ہے اس اعتبار سے اردو تحقیق کو اپنے مخصوص موضوعات کے ساتھ پیر صاحب نے جو مختلف عنوانات دیئے ہیں وہ ہر لحاظ سے اردو تحقیق کی دنیا میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں اس مناسبت سے اردو تحقیق پیر صاحب کو کبھی فراموش نہیں کر سکے گی"۔ (۱۳)

ان کی علمی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی علمی خدمات کا دائرہ اردو زبان کے مطالعے، تحقیق و تصنیف اور اردو زبان کے فروغ و نفاذ کی کوششوں کے گرد گھومتا ہوا نظر آئے گا۔ پاکستان میں "انجمن اردو ترقی" کے قیام اور اس کی جدوجہد میں پیر صاحب کی شمولیت اردو کالج کے بانی رکن کی حیثیت حاصل کرنا، "اردو لغت بورڈ" کی مجلس نظم میں شامل رہ کر "جامع اردو لغت" کی منصوبہ سازی میں شریک ہونا اور پھر ملک بھر کے

اردو کے ترقیاتی اداروں "مرکزی اردو بورڈ"، "مجلس ترقی ادب"، "اقبال اکیڈمی"، "ادارہ یادگارِ غالب" سے منسلک رہ کر اردو زبان و ادب کے تعلق سے مفید منصوبوں کی تکمیل ان کی مثالی خدمات ہیں۔ "مرکزی اردو بورڈ" سے قدیم اور حوالہ جاتی تاریخی متون مثلاً "طبقات ناصری"، "طبقات اکبری"، "سیر الاولیا"، "سیر العارفین"، "ماثر الامرا" اور مجلس ترقی ادب' سے "تزک جہانگیری"، "بادشاہ نامہ" وغیرہ اور "ادارۂ تحقیقات پاکستان" سے "انشائے ماہرو" اور "فتاویٰ جہانداری" وغیرہ کے تراجم یا مصمع متون شائع کرنے کے منصوبوں کا ایک محرک پیر صاحب کی ذات کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اردو زبان میں تاریخی متون کی اشاعت ایک انتہائی مفید اقدام کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے سندھ کے ایک روشن خیال اور کشادہ دل شخص کے علمی کارناموں کو تنقیدی اور تحسینی نظر سے دیکھتے ہوئے جس طرح خراجِ تحسین پیش کیا ہے وہ بے مثال ہے۔

"اردو کی ادبی تاریخیں" پر ان کا مضمون جو "اخبار اردو"، مارچ ۲۰۰۲ء میں چھپا، اردو تاریخ نویسی کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تاریخ نویسی کا جائزہ اور مطالعہ بھی ایک عرصے سے ہمارے نقادوں اور محققوں کا موضوع رہا ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے قاضی عبدالودود کے مقالات اور گارسیں دتاسی کی "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" کو عمدہ تحقیقی مطالعے قرار دیا ہے۔ تاریخ ادب اردو کے حوالے سے اکثر یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ ابھی تک اردو زبان و ادب کی معروضی اور سائنٹفک انداز کی تاریخ نہیں لکھی گئی۔ یہ انگریزی اور اردو میں لکھی ہوئی ایسی تواریخ کا جائزہ ایک آدھ مضمون کی صورت میں پہلے بھی لیا جاتا رہا، مگر ڈاکٹر گیان چند جین جیسے محقق اور نقاد نے اس پر ایک مبسوط کتاب لکھی۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ڈاکٹر گیان چند جین کی تصنیف "اردو کی ادبی تاریخیں" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر گیان چند نے کمال جستجو کے ساتھ ضخیم اور مبسوط کام اردو دنیا سے باہر رہ کر انجام دیا ہے۔ انہوں نے جس طرح اپنے موضوع پر مشتمل کتابیں اور مآخذ وہاں یک جا کیے ہوں گے۔۔۔ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور ان کی تحریر "اعتراف" اس کا مظہر بھی ہے وہ اگر یہیں اردو دنیا میں رہ کر یہ کام انجام دیتے تو یقیناً یہ مزید جامع اور مکمل ہو سکتا تھا۔۔ میری نظر میں اس کی خصوصیات میں ایک یہ بھی ہے کہ بیسویں صدی کے کئی عنوانات اور شاعری، نثر اور صحافت کی کئی شخصیات کا ذکر ہم عصر تاریخوں میں نہیں ملتا، اس میں مل جاتا ہے۔" (۱۴)

اس کے علاوہ انھوں نے ابواللیث صدیقی کی تصنیف "اردو کی ادبی تاریخ کا خاکہ" کا حوالہ دیا ہے جس سے ڈاکٹر گیان چند نے استفادہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے انگریزی زبان میں لکھی گئی اردو کی تمام تاریخوں کا احاطہ کیا ہے۔ آخری سطور میں ڈاکٹر معین الدین عقیل نے واضح کیا ہے کہ ان سطور کا مقصد تنقید، تنقیص یا کمزوری و کوتاہی کی نشاندہی ہرگز نہیں، نہ ان کی گنجائش تھی نہ میری مجال ۱۵۔ مذکورہ بالا حوالہ جاتی اقتباس ڈاکٹر معین الدین عقیل کے متوازن تنقیدی رویے کا اظہار ہے۔

"تعلیقات خطبات گارساں دتاسی" ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین کا مقالہ برائے پی ایچ ڈی ہے۔ جس کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے لیا ہے۔ یہ مقالہ "سہ ماہی "اردو" جنوری ۱۹۹۸ء" میں چھپا اور ۱۹۹۹ء میں اسے اپنی کتاب "پاکستانی زبان و ادب، مسائل و مناظر اور اردو تحقیق، صورت حال اور تقاضے" میں بھی شامل کیا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل گارساں دتاسی کو متعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

"گارساں دتاسی کا شمار اردو زبان و ادب کے بلاشبہ ان محسنین میں کیا جا سکتا ہے جن کے مطالعہ و تحقیق کی کاوشیں اردو زبان و ادب کی تاریخ و ارتقاء کے اہم ماخذ کی حیثیت سے ہمیشہ معاونت کرتی رہیں گی۔ گارساں دتاسی کا کام اردو زبان و ادب کے تعلق سے خاصا متنوع ہے۔ اس کی ضخیم و مختصر تصانیف کی تعداد کا شمار ۱۵۹ کیا گیا ہے، جن میں بیشتر کا موضوع کسی نہ کسی طرح اردو زبان و ادب سے ہے۔ ویسے اس کی کل تصانیف میں جو اہمیت اور افادیت اس کی "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" اور اس کے خطبات و مقالات کو حاصل ہے، وہ مثالی و ناگزیر ہے۔" (۱۶)

ڈاکٹر معین الدین عقیل ڈاکٹر سید سلطان محمود کے مقالے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ فاضل محقق نے اپنے ضخیم مقالے کے اس حصے میں، جو اس وقت پیش نظر ہے، کل ۱۹ خطبات پر یکے بعد دیگرے اور علی الترتیب تعلیقات تحریر کیے ہیں۔ اور بعض اہم امور پر روشنی

ڈالی ہے، جن سے فاضل مصنف صرف نظر کر گئے، مثلاً ، اشاعت کے موقع پر نظر ثانی نہ کرنا، حواشی کی تکرار، حواشی اور تعلیقات کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنا، وہ لکھتے ہیں کہ حواشی اور تعلیقات کے عنوان الگ الگ دینا چاہیے تھے۔ مغربی اسما کو کہیں اردو اور کہیں انگریزی زبان میں لکھنا، زبان کے استعمال میں مناسب احتیاط نہ برتنا، ہندوستانی ناموں کو انگریزی لہجے میں اردو میں منتقل کرنا، وغیرہ۔ وہ لکھتے ہیں:

"چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں تاکہ اردو زبان و ادب کے اس اہم ماخذ سے خاطر خواہ استفادہ ہوتا رہے اور ان تعلیقات کی اشاعت ثانی کے موقع پر ان کی نشاندہی کی جاسکے یا "خطبات" کے علاوہ اگر "مقالات" پر بھی کوئی ایسا ہی وسیع المطالعہ اور مستعد محقق حواشی و تعلیقات لکھنے کا عزم کرے، تو یہ مثالیں اس کے لیے راہ متعین کرنے میں معاون ہو سکیں۔"(۱۷)

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے وہ ان کی عمیق نظری اور اعلیٰ تنقیدی صلاحیت کی گواہ ہیں۔ ایسی دقت نظر سے مختلف ماخذات کو دیکھنا، پرکھنا اور ان کے متعلق رائے دینا بلا شبہ مشکل ہے۔ جن امور کی طرف انھوں نے فاضل مصنف کو توجہ دلائی ہے، وہ حسب ذیل ہیں: غیر مستند ماخذ، ناگزیر ماخذ سے گریز، جدید تحقیقات سے بے نیازی، عدم احتیاط اور بے توجہی وغیرہ، تاہم ڈاکٹر صاحب نے فاضل محقق کی کاوش کی تعریف کی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ کاوش خطبات سے مزید استفادے کی راہ ہموار کرے گی اور یہ ان کی مستقل محنت، لگن اور جستجو کی قابل عمل مثال ہے۔

"سادات بارہہ سید حسن علی خاں اور سید حسین علی خاں" کے تذکروں پر مشتمل یہ کتاب "سیدان بادشاہ گر" ڈاکٹر صفدر حسین کی کتاب ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اس تاریخی کتاب کا تنقیدی جائزہ نہایت عمیق نظری سے پیش کیا ہے اور جن تاریخی حقائق کو ڈاکٹر صفدر حسین نے جھٹلایا ہے ان کی نشاندہی کر کے تصحیح و وضاحت کی ہے۔ یہ مضمون "مطبوعہ سہ ماہی "غالب" کراچی، جولائی ۱۹۷۶ء میں چھپا۔ علاوہ ازیں، یہ "پاکستانی زبان و ادب، مسائل و مناظر"، اور "اردو تحقیق، صورت حال اور تقاضے" میں بھی شامل ہے۔ کتاب "سیدان بادشاہ گر" کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زیر نظر تالیف "سیدان بادشاہ گر" سادات بارہہ سید حسن علی خاں اور سید حسین علی خاں کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ مرتب نے اسے "تاریخ فرح بخش" مولفہ محمد فیض بخش کاکوروی کی بنیاد پر مرتب کیا ہے لیکن فی الحقیقت یہ دیگر کتابوں جیسے "ماثر الامراء"، "منتخب اللباب"، "سیر المتاخرین" وغیرہ کے اقتباسات اور اندراجات پر بھی مشتمل ہے۔ ابتدا میں صفحہ ۵۵ تک مرتب کا ایک مبسوط مقدمہ ہے، جس میں حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ بارہہ کے سید برادران کے تاریخی و سیاسی کردار اور ان سے منسوب احوال و نتائج کو نئے سرے سے متعین کیا جائے اور اپنے طور پر ان سے منسوب احوال و اعمال کا رد کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ فاضل مصنف نے سادات بارہہ کہ ہندوستان آمد، ان کے سیاسی عروج کا تذکرہ اور چند کتابوں سے وہ اقتباسات دیے ہیں جو سادات بارہہ کی تعریف و توصیف میں ہیں۔ ہر دور میں ممتاز شخصیات کی فہرست دی ہے، جو ۱۳ سے ۳۷ صفحے تک محیط ہے اور یہ شعر دیا ہے:

حقیقت آج تہ خاک سے ابھرتی ہے زبان فریب مورخ پر طنز کرتی ہے

ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں کہ اس شعر کا بنیادی مقصد سید برادران کے کردار کو بے داغ ثابت کرنا ہے۔ انھوں نے "محمد امین خاں تورانی اور نظام الملک کے خاندان، مولانا مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، اور مرزا بیدل پر سخت تنقید کی ہے اور جذباتی حیض بیض سے "بچ کر" مرتب نے اپنے من پسند نتائج اخذ کیے ہیں۔ چناں چہ فاضل مصنف نے ان تمام حضرات کے کردار پر تنقید کی ہے۔ داکٹر صاحب واضح کرتے ہیں کہ اگر کسی فن پارے پر تنقید کی جارہی ہو تو فنکار کے ذہن کے مطالعہ کے لیے اس کا سماجی، نفسیاتی اور موروثی پس منظر ضروری اور مفید ہوتا ہے، لیکن جہاں تاریخی حقائق، ان کے ثبوت اور نتائج کی بات ہو تو جذباتیت کی بجائے دلیل سے بات کی جاتی ہے چناں چہ لکھتے ہیں:

"مرتب نے اپنے خیالات کے ثبوت میں بعض مورخین کے حوالے دیے ہیں اور ان کی تحریروں سے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں لیکن ان ہی مورخین نے سید برادران پر تنقید بھی کی ہے یا ان کے کردار کے کسی قبیح پہلو کا تذکرہ کیا ہے تو اس کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔"(۱۸)

تحریری سرقے سے ایسی کوششیں تاریخی حقائق کو نظر انداز کرنے اور نئی تاریخ پیش کرنے کے مترادف ہے۔ڈاکٹر صاحب کی تاریخی امور پر یہ دلیل دراصل فاصل مصنف کو باور کروانا ہے کہ تاریخی حقائق سے نظر چرانا ممکن نہیں کیونکہ ان کے شاہد تاریخ کے بے شمار کردار ہوتے ہیں جو کھرا اور کھوٹا الگ کر دیتے ہیں۔

"تاریخ تناولیاں "پر مضمون "جولائی ۱۹۶۷ء میں سہ ماہی "غالب" کراچی" میں چھپا۔علاوہ ازیں، یہ ان کی کتابوں "پاکستانی زبان و ادب، مسائل و مناظر"، اور" اردو تحقیق، صورت حال اور تقاضے" میں بھی شامل ہے۔"تاریخ تناولیاں" درہ تانال سے سینکڑوں اعوان، پٹھان اور سادات خاندانوں کی مردانا ور سوات میں آبادکاری کے حوالے لکھی گئی کتاب ہے۔درہ تانال کی نسبت سے اس علاقے کا نام "تناول" پڑ گیا اور یہاں آباد ہونے والے خاندان "تناول قوم" سے موسوم ہوئے۔ان کا احوال "سید مراد علی گڑھی، منشی سرحد عوے در بند ضلع ہزارہ" نے انگریزی ملازمت کے دوران ۱۸۷۵ء میں تحریر کیا۔اس کتاب کا بیشتر حصہ سردار پائندہ خان کے عہد اور سید احمد شہید کی تحریک جہاد سے متعلق ہے۔ڈاکٹر معین الدین عقیل نے موجود اشاعت کے تعارف نگار اور حاشیہ نگار کے کتاب کے مندرجات پر کلی اتفاق کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا ہے اور تحقیق نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔تاریخی حقائق سے یوں صرف نظر کرنا دراصل ان طاقتوں کے مقاصد کی پاسبانی کرنا ہے جو اس دور میں ان علاقوں پر حاکم تھے۔وہ اپنی تنقیدی جائزے میں واضح کرتے ہیں:

"کتاب کی حالیہ اشاعت کا مقصد بھی تناولی قوم کی تاریخ سے زیادہ تحریک مجاہدین کی مخالفت معلوم ہوتا ہے۔ورنہ تعارف نگار اور حاشیہ نگار کتاب کے تمام مندرجات کو اپنے موضوع سے نظر انداز کر کے محض تحریک مجاہدین کو نشانہ نہ بناتے ہیں۔اگر "تناولی قوم" کی تاریخ مرتب کرنا ان کا مقصد ہوتا تو آج کی تحقیقات کے مطابق اور آج کی ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تحقیقی اور سائنٹیفک تاریخ مرتب کرائی جاسکتی تھی۔۔"(۱۹)

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اس دور کی اصلاحی تحریکوں کے ساتھ ساتھ تحریک مجاہدین اور قبائلی سرداروں کی انگریز نوازی کو تاریخی حوالوں ثابت کیا ہے۔اس کتاب کو تاریخی نہیں چاپلوسی کی ایک نئی جہت قرار دیا جاسکتا ہے۔ تحقیق میں سرقے کی عالمی مثالیں پر مضمون میں ڈاکٹر معین الدین عقیل نے بعض سفر ناموں کے سرقے کی عالمی مثالیں پیش کی ہیں اور بعض تاریخی کتابوں کے بارے میں تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ کسی اور مصنف کی تحریر ہیں۔اس سلسلہ میں انہوں نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان میں "ہیرو دوتوس(HERODOTOS) کی "چشم دید تاریخ""مارکوپولو اور ابن بطوطہ کے سفر نامے'جیکب کے سفر نامے "روشنی کا شہر"(The city of light)شامل ہیں ۲۰۔چناں چہ واضح کرتے ہیں:

"تاریخ اس لحاظ سے بے رحم ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ کو سچ نہیں رہنے دیتی اور بالاخر سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دکھاتی ہے اور یہ بھی واقعہ ہے جھوٹ چھپائے نہیں چھپ سکتا ہے۔ایک باریک بیں محقق تاریخ کے پردوں سے سچ نکال لاتا ہے۔"(۲۱)

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے صرف پاکستانی تخلیق و تحقیق، علم و ادب اور اس کے معاشرتی و تہذیبی حوالوں ہی سے قلم اٹھایا ہے۔بل کہ وہ پاکستانی تعلیمی نظام اور نصاب کے متعلق بھی گہری سوچ رکھتے ہیں۔ چناں چہ نصاب کے بارے میں ان کی تحریر "نظریاتی نقطہ نظر سے مطالعہ پاکستان کی نصاب بندی"، مشمولہ:"تعلیم اسلامی تناظر میں"، مرتبہ:"پروفیسر خورشید احمد"۔اسلام آباد سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ڈاکٹر صاحب نے مختلف حوالوں سے تنقیدی اور اصلاحی باتیں کی ہیں جو مطالعہ پاکستان کی نصاب سازی کے لیے اہم ہیں۔نصابی منصوبہ بندی کے حوالے سے تجویز پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ آج کل علوم اس قدر وسیع ہو گئے ہیں کہ ایک شخص مکمل طور پر کئی اقوام و ممالک اور ادوار کے بارے میں اس قدر معلومات

اور قدرت نہیں رکھتا۔ چناں چہ اب ایک فرد کے بجائے مصنفین کی مجالس اجتماعی طور پر تاریخیں لکھ رہے ہیں۔ اس لیے مطالعہ پاکستان کے نصاب کی تیاری اور ترتیب کے لیے بھی یہی طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ آخر میں چند مزید تجاویز پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان تمام مذکورہ باتوں کا خیال ہر سطح کے نصاب کی ترتیب کے وقت رکھا جا سکتا ہے اور یہ کہ "مطالعہ پاکستان" کا مضمون اعلیٰ ثانوی سطح پر صرف ایک درجے تک مخصوص ہے۔ اس لیے سال کے نصاب میں اسلامی ریاست کا باب تفصیل سے پڑھایا جائے اور بقیہ ابواب مختصر ہوں۔ قدیم ہندو مذہب پر مشتمل ابواب ختم کر دیے جائیں اور تحریک پاکستان کے ہر دور میں خاص خاص مصلحتیں اور قائدین کا مختصر تعارف کرایا جائے۔ تاکہ طلبا ان کی زندگی کے تعمیری، اخلاقی، اجتماعی اور انفرادی پہلوؤں اور کوششوں سے واقف ہوں اور سیرت و کردار میں یہ باتیں اہم ثابت ہوں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کے بیان کردہ یہ تحقیقی اور تنقیدی حقائق نہ صرف اس مضمون کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہیں بل کہ خود ڈاکٹر صاحب نے بھی انھی باتوں کو مد نظر رکھ کر اس نصابی مضمون کی صورت میں چند اہم رجحانات کی نشان دہی کی ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے مضمون "تحقیق" میں اورینٹل کالج میگزین کے علاوہ چند اور مجلات کا ذکر بھی کیا ہے جو ایک معدوم روایت کی تلافی کر رہے ہیں۔ اورینٹل کالج میگزین کے ساتھ جامعہ پنجاب کے کلیہ معارفِ اسلامیہ کا مجلہ "تحقیق"، جامعہ پشاور کا مجلہ "خیابان" اور جامعہ سندھ کا مجلہ "تحقیق" ان رسالوں میں شامل ہیں جو عالمانہ اور وقیع تحقیقی مقالات کا ذخیرہ رکھتے ہیں۔ شعبہ اردو جامعہ سندھ کے مجلے "تحقیق" کا پہلا شمارہ (۱۹۷۸ء) اس مضمون کا موضوع ہے۔ اس مجلے کے مضامین کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا تھا۔ "اُصول تحقیق، رسمیاتِ تحقیق، مقالات، اخذ و ترجمہ" چند تبصرے اور ذیلی عنوانات میں "رفتارِ تحقیق اور مجالسِ تحقیق" شامل ہیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل اس مجلے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے بعض امور کی نشاندہی کرتے ہیں، جہاں کمی ہے اسے بہتر کیا جا سکے۔ یہاں وہ اس بات پر دکھ کا اظہار کرتے ہیں کہ سائنٹیفک اصول و قواعد ایک عرصہ سے علمی دنیا میں مروج ہیں، ہمارے بہت کم مصنفین کو ان سے واقفیت حاصل ہے اور وہ اردو میں انھیں استعمال کرتے ہیں۔ چناں چہ واضح کرتے ہیں کہ ان مقالات کے موضوعات و معیار کی وجہ سے اس مجلے کی اہمیت و انفرادیت ہے، جسے ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے مضمون میں بیان کیا ہے۔ اسناد حوالہ جات، کتابیات اور کتابیات کی درجہ بندی کے جدید طریقہ کار اس رسالے میں جس طرح اپنائے گئے اور رسمی اور پرانے طریقوں سے جس طرح انحراف کیا گیا، کی وضاحت کی گئی ہے۔ چند معروضات اور تنقیدی تحریروں کے بعد آخر میں اس تحقیقی مجلہ کی اشاعت کو "شعبہ اردو، جامعہ سندھ" کی تحقیقی سرگرمیوں کے لیے اسے خوش آئند قرار دیا گیا ہے۔

"اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ" ڈاکٹر معین الدین عقیل کا یہ تبصرہ "سہ ماہی اردو جولائی ۱۹۸۸ء" میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ یہ تحریر ڈاکٹر معین الدین عقیل کی کتاب "پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر" الوقار پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء، اور "اردو تحقیق، صورت حال اور تقاضے"، اقمر انٹر پرائزز لاہور۔ ۲۰۱۴ء میں بھی شامل ہے۔ زیر نظر تنقیدی تجزیہ ان کی کتاب "اردو تحقیق، صورت حال اور تقاضے" سے شامل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اس مضمون میں محمد ایوب قادری کی تصنیف "اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ" کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ ان کے بقول یہ ایک بے مثال تصنیف اس لحاظ سے ہے کہ اب تک اردو تاریخ نویسی کا اسلوب اور انحصار ہمارے ہاں بڑی حد تک ایک ڈھب پر رہا ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شاعری اور نثر اور دوسری اصناف کا ارتقا الگ الگ ماحول میں ہوا ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کے بقول ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی تصنیف "اردو نثر کے ارتقاء میں علما کرام کا حصہ" اپنے موضوع کے حوالے سے ایک مکمل تصنیف ہے، جو اردو نثر کے ارتقا میں علماءِ کرام کی کاوشوں اور ان کی تصانیف کے تحقیقی و تنقیدی مطالعے پر مبنی ہے۔ اس حوالے سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اردو زبان کے ابتدائی زمانے کی جو بھی تحریریں ملتی تھیں انھیں تبرک سمجھ کر ہر تاریخ کا حصہ بنا لیا جاتا تھا مگر بعد میں صورت حال مختلف ہوتی گئی، مذہبی و علمی اور ادبی تصانیف سے صرف نظر کیا جانے لگا۔ چند مشہور علما کی تحریروں کو تو پھر بھی شمار کر لیا جاتا مگر ہر عہد میں ایسی

تحریریں ہمارے ادبی مؤرخین کی توجہ حاصل نہ کر سکیں۔ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے شمالی ہند کے علما کی تصانیف اور آغاز سے ۱۸۵۷ء تک کا مبسوط جائزہ اس تصنیف میں پیش کیا گیا ہے۔ڈاکٹر معین الدین عقیل نے کتاب کی خصوصیات بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ معیاری تحقیق کس قسم کی ہوتی ہے۔ آٹھ ابواب میں تقسیم یہ کتاب ہر باب میں علماء کی وابستگیوں کے حوالے سے ترتیب دیا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کے جائزے میں اس کے اُسلوب اور زبان و بیان کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح فاضل مصنف علما کی تحریروں کی صرفی و نحوی خصوصیات کا جائزہ لیا ہے۔۱۸۵۷ء تک اردو زبان اور اسالیب کی سمت و رفتار اور نوعیت و کیفیت کا تعین کرتی یہ کتاب اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس مقالے پر کراچی یونیورسٹی نے ڈاکٹر محمد ایوب قادری کو ڈاکٹریٹ کی سند دی تھی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

"ان پہلوؤں سے قطع نظر کہ جو اس تصنیف کی علمی و تحقیقی قدر و قیمت میں کسی طرح کمی کا سبب نہ ہوں گے، یہ ایک اعلیٰ درجے کا کارنامہ ہے، جو اگر ایک طرف اردو زبان و ادب کی تاریخ کے ایک بڑے خلا کو پر کرتا ہے تو دوسری طرف اردو زبان کی ترقی میں علماء کی شعوری یا غیر شعوری خدمات کو بر عظیم کی علمی و تہذیبی تاریخ کی ایک حقیقت کے طور پر متعارف کرواتا ہے۔اس تصنیف کو حالیہ چند برسوں کے ایک مثالی کارنامے سے تعبیر کرنا چاہیے۔"(۲۲)

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی تحریر "محمد حسین آزاد کی ایک غیر معروف تصنیف: تذکرہ علما" کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔انھوں نے پہلے تذکرہ نویسی کے فن کی ابتدا کے حوالے بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ نویسی اور تذکرہ نویسی ایک دوسرے کے معاون رہے ہیں۔ تزکرہ نویسی انفرادی افراد کی تاریخ ہے۔ تاریخ نویسی نے اسے بنیادیں مہیا کیں اور جواباً تذکرہ نویسی نے تاریخ نویسی کو بنیاد مہیا کی۔انھوں نے اس سلسلہ میں ہندوستان میں لکھی جانے والی تاریخوں کی مثال دی ہے۔اسی طرح تذکروں کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح مقبول رہا۔ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، جو تذکرہ علماء" کے فاضل مرتب ہیں" نے "تذکرہ علما" کا محرک اور ماخذ آزاد بلگرامی کا تذکرہ "ماثر الکرام" بتایا ہے۔ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

"اس طرح "ماثر الکرام" کچھ تو اپنی نوعیت اور موضوع کے تحت اور کچھ آزاد بلگرامی کی شخصیت و حیثیت کے زیر اثر بعد میں نہ صرف علما کے تذکروں کو لکھنے کے لیے ایک محرک ثابت ہوا بلکہ خود اس زیر نظر تزکرے کے لیے بھی ایک مثال بنا ہے۔"(۲۳)

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اس سلسلہ میں محمد حسین آزاد کی دیگر تصانیف "سخندان فارسِ"، "دربار اکبری"، اور "آب حیات" کا ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے تذکرہ نویس کے اپنے رجحان، دلچسپی اور زوق و شوق کا اچھا خاصا مظاہرہ کیا تھا۔وہ شاید علما کا تذکرہ لکھنے کے خواہاں رہے ہوں۔ علماء میں پہلا نام مسعود سعد سلیمان اور آخری نام آزاد بلگرامی کا ہے، شاید وہ اسے زمانی اعتبار سے مرتب کرنا چاہتے تھے۔انھوں نے ڈاکٹر ناشاد کی کاوش کی تعریف کی ہے کیونکہ مدون یا مرتب کے لیے اصل ماخذات تک پہنچنا جان گسل ہوتا ہے۔اصل متن، اس کی امکانی صحت اور متن کے مطالب، ان کی اصل وبنیاد، مآخذ وغیرہ کی جستجو، تلاش دید و دریافت، اصول فن تحقیق کے اعتبار سے ایک اچھے مرتب و محقق کی پسندیدہ اعمال و وظائف ہیں۔ڈاکٹر ناشاد کے مفید مقدمے، تصنیف کی نوعیت، کمیت، کیفیت، تعلیقات، اصل ماخذ کی فراہمی پر ان کی تحسین کرتے ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل محمد اکرام چغتائی کی "تاریخ مشغلہ" کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھوں نے کئی نادر ادبی متون کو متعارف کروایا ہے۔ زیر نظر مضمون "تاریخ مشغلہ"، جس کا واحد نسخہ انھوں نے وی آنا (آسٹریا) کے ایک قومی کتب خانے کے شعبہء مخطوطات سے حاصل کیا، جو واحد معلومہ نسخہ ہے۔ اسے بڑی محنت اور سلیقے سے تحقیق کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے مرتب کیا۔ تاریخ مشغلہ واجد علی شاہ کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ جو تعداد میں ۴۶ ہیں اور واجد علی شاہ نے مشغلہ السلطان نواب آبادی جان بیگم کو لکھے تھے۔اس مضمون میں ڈاکٹر معین الدین عقیل

"تاریخ مشغلہ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے" اودھ کی تاریخ کو اس کی مکمل تابناکی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ڈاکٹر معین الدین عقیل نے نہ صرف اودھ کی زندگی کے نشیب و فراز کا ذکر کیا ہے بلکہ مجموعی معاشرت کا تجزیہ پیش کر دیا ہے۔انھوں نے واجد علی شاہ کے خطوط کا جائزہ بھی لیا ہے اور واجد علی شاہ کی زندگی پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔انداز بیان کے لحاظ سے واجد علی شاہ کے دیگر خطوط سے موازنہ بھی کیا ہے۔تاریخ مشغلہ کے حوالے سے اودھ کی تاریخ و تہذیب کو اجاگر کر کے اسے ایک اہم ماخذ ثابت کیا ہے اور تحقیق کی بہترین مثال کہا ہے۔" تحقیق میں اخلاص اور سنجیدگی کی ایک مثال: نور السعید اختر "میں ڈاکٹر معین الدین عقیل نور الدین سعید اختر" کی بطور محقق تعریف کرتے ہوئے "دکنیات" پر ان کی دلچسپی اور دسترس کا ذکر کیا ہے۔دکنی تحقیقات و مطالعات کی شان دار روایت میں ڈاکٹر نور السعید اختر کی مستعدی، جاں فشانی اور تلاش و جستجو کو بیان کیا ہے اور اپنی پچاس سالہ شناسائی کا حوالہ دیا ہے۔ہندوستان کے رسالوں "سب رس" اور "نوائے ادب" میں ڈاکٹر نور السعید اختر کے مقالات تک رسائی کی تکالیف (۱۹۶۵ء) کی پاک بھارت جنگ کے بعد رابطے کی دشواریوں کا بھی ذکر کیا ہے۔اس کے بعد ملا وجہی کی تصنیف "تاج الحقائق" کے حوالے سے بات کی ہے، جو دکنیات کی تحقیق کے ضمن میں ایک اہم واقعہ تھا۔انھوں نے نورالسعید اختر کے مقالات کے مجموعے "نقوش دکن"، "تیشہ فرہاد"، "ضربِ تیشہ"، "نازشِ دکن"، "مضرابِ دکن" پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ڈاکٹر نور السعید اختر کی تصانیف "سلاطین کا شوقِ شکار" اور "گولکنڈوی مثنوی "بہرام و گل اندام" کی ترتیب پر بات کی ہے۔ڈاکٹر معین الدین عقیل نورالسعید کی شخصیت کو ادب کے لیے باعث فخر قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی کتاب "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء" کا دیباچہ بھی لکھا۔ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے بارے میں لکھتے ہیں "اردو نثر کا آغاز و ارتقا" ان کا پی ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے جن پر جامعہ عثمانیہ نے انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی۔اس کی اشاعت سے اٹھارھویں صدی تک کا تمام سرمایہ ہمارے علم میں آیا ہے ۲۴۔ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کے ادبی مقالہ اور دیگر تصنیفات پر بھی تبصرہ کیا ہے اور ان کی کتابوں "اردو ادب میں خواتین کا حصہ"، تاریخ و تحقیق میں "کلمتہ الحقائق" اور "بھگتی تحریک اور اردو کے شاعر" کو ان کے قابل قدر کارنامے قرار دیے ہیں ۲۵۔"

تنقید و تجزیے کے حوالے سے ان کا ایک اور اہم مضمون "وطن کا قرض: اردو افسانہ اور پاکستانیت" ہے۔"وطن کا قرض" ایسے نمائندہ افسانوں کا مجموعہ ہے جو اپنے مسائل اور کرداروں کے توسط سے پاکستان کی تہذیب و معاشرت اور سیاسی نشیب و فراز کی نمائندگی کرتے ہیں۔ڈاکٹر معین الدین عقیل نے "وطن کا قرض" کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے پاکستانی ادیب کے ارضی رشتے کا جائزہ لیا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ ادیب اپنے ماحول کا اسیر ہوتا ہے اور ملک میں ہونے والے حوادث کے اثرات اس کے قلم سے قرطاس پر نقش ہوتے ہیں۔ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں لکھے گئے افسانے پاکستان اور پاکستانی قوم کے کرب کا نمائندہ ہیں۔انتظار حسین کا افسانہ "سیکنڈ راؤنڈ" اور احمد ندیم قاسمی کا افسانہ "کپاس کا پھول" اسی کرب کی بازگشت ہیں۔چنانچہ انتظار حسین کا "شہادت"، شناز بیری کا "اذان" اختر جمال کا "ایک پاکستانی لڑکا" اسی پاکستان میں رہنے والے کردار ہیں جو اپنے طبقے کے خیر و شر کے نمائندہ ہیں۔ڈاکٹر معین الدین عقیل کے مطابق:

"ان افسانوں کا مجموعی ماحول تحریک پاکستان سے لے کر ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی تقسیم اور اس کے بعد تک پھیلا ہوا ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ بڑا افسانہ اس لیے نہ لکھا جا سکا کیونکہ پاکستان اندرونی خلفشار کا شکار رہا اور افسانہ نگار کوئی بڑا افسانہ تخلیق نہ کر سکے"۔(۲۶)

چنانچہ "وطن کا قرض" کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے وہ واضح کرتے ہیں افسانہ نگاروں کا مجموعی طرز عمل وطن سے محبت کے جذبات پر مبنی رہا، یہ افسانے ملک کے اندرونی خلفشار میں افسانہ نگار کی وطن دوستی اور مٹی کی مہک محسوس کراتے ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کے تنقیدی سرمائے کا دوسرا جزو تدریس، تدوین نصاب اور جامعات کے کردار پر مشتمل ہے۔اس تنقیدی جائزے میں انھوں نے جامعات کے کردار اور وہاں ہونے والے تحقیقی و تنقیدی کام پر ایک اجمالی نگاہ ڈالی ہے اور جامعات کی بہتری کے لیے چند اہم ترامیم کی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

'ہمیں اپنے نصاب میں ایسی ترامیم کرنی چاہئیں کہ ہم خصوصیت سے ایسا ادب اپنے طلبہ کو پڑھائیں جو تعمیری ہو اور عہد ساز ہو۔وہ ترامیم یہ ہیں:(۱) ہمیں نصاب اس طرح ترتیب دینا چاہیے کہ اردو زبان کے ماحول، عہد اور ثقافت سے متعلق دیگر زبانوں کا ادب بھی، ہمارے ادب کے ساتھ ساتھ متوازی مطالعے میں آتا رہے۔(۲) ہمارے نصاب میں اتنی گنجائش کا لحاظ ضرور ہونا چاہیے کہ ہم عالمی سطح کی اہم زبانوں کے کم از کم ادب عالیہ سے ضرور واقف ہو سکیں۔(۳) انٹرنیٹ کے وسیلے سے ہم طلبہ کو عالمی کتب خانوں سے استفادہ کرنے کے قابل بنا سکتے ہیں۔"(۲۷)

ڈاکٹر معین الدین کے بقول اگر ان تجاویز پر صحیح معنوں میں عملدرآمد کیا جائے تو ترامیم ہماری عصری ضرورتوں کو پورا کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ نصیر ترابی کی شاعری کی خصوصیت اور ان کے مجموعہ کلام "عکس فریادی" کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اپنے مضمون "نئی غزل کا ایک نیا لہجہ" میں لکھتے ہیں:

"یہ مجموعہ صرف غزلوں پر مشتمل ہے اور ایسی غزلوں پر جنہیں شاعر نے لفاظی، بلند آہنگی، وضاحت اور موضوعاتی تکرار سے دور رکھ کر داخلی آہنگ، تاثیر اور گہرائی سے آراستہ کیا ہے۔ ان میں نئے خیالات اور نئے پیرایوں کی جستجو عام ہے پھر اسلوب بھی ایسا اختیار کیا ہے جو ان کا اپنا ہے اور اس کے لیے استعارے بھی نئے منتخب کیے ہیں اور تراکیب بھی یکسر نئی وضع کی ہیں۔"(۲۸)

"غالب کا ذہنی سفر" مضمون میں انہوں نے فلسفہ، نفسیات اور تاریخ کے حوالے سے انسانی فکر میں تبدیلی پر بات کی ہے اور اسی بنا پر غالب کی شاعری اور ان کے ذہنی شعور کو بھی پرکھا ہے۔ اردو کی شعری روایت میں غالب کی انفرادیت کے حوالے سے ان کا خیال ہے:

"تجربیت اور ایجابیت کا قائل فرد شنیدہ پر بہت کم یقین رکھتا ہے۔ اس لیے روایت کے احترام کے باوجود روایت کو بعینہٖ قبول نہیں کرتا۔ وہ مسلمات اور معتقدات کے تجزیے اور تحلیل کے بغیر نہیں رہ سکا حالاں کہ یہ امر اس کے پیش نظر رہتا ہے کہ صدیوں سے انسان اس کو تسلیم کرتا چلا آرہا ہے اور پھر اس کے معاصرین میں ان پر ایمان رکھنے والوں کی کمی نہیں ہوتی۔ وہ یہ سب کچھ دیکھتا ہے لیکن اسے اس کی خوب سے خوب تر کی تلاش اس ڈھب سے متاثر ہونے نہیں دیتی کہ وہ حالات کی نوعیت سے اثر پذیر ہو جائے اور مقلدین کے گروہ میں خود کو شامل کرے۔ غالب کے نت نئے حقائق کی متلاشی شخصیت کچھ اس نوعیت کے پس منظر میں اپنی انفرادیت تسلیم کراتی ہے۔"(۲۹)

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی وہابی تحریک کے فکر اقبال پر اثرات کا تنقیدی جائزہ بھی ڈاکٹر معین الدین عقیل کا اہم مضمون ہے۔اس تحریک کا مقصد مسلمانوں کی بحیثیت مجموعی اصلاح کرنا تھا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

"اقبال وہابی تحریک کے نظریات اور مقصد کے بہت زیادہ معترف تھے۔ انھوں نے اس کے بعض پہلوؤں پر تنقید بھی کی ہے ان کا خیال تھا کہ داخلی طور پر اس کا مزاج بھی سر تا پیر قدامت پسندانہ تھا۔ اس نے مذاہب اربعہ کی قطعیت سے تو انکار نہیں کیا اور اس لیے آزادی اجتہاد پر بڑی شد و مد سے زور دیا۔"(۳۰)

ڈاکٹر معین الدین عقیل اس حوالے سے علامہ اقبال کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقبال کے خیال میں اس تحریک میں جو خامیاں موجود تھیں اس کے باوجود اس کا ایک عام اور مثبت اثر عالم اسلام پر مرتسم ہوا اور اس تحریک سے کئی اور تحریکیں پیدا ہوئیں۔"(۳۱)

ڈاکٹر معین الدین عقیل کا شمارہ "نعت رنگ" میں شامل تنقیدی مضمون "تحقیقِ نعت، صورت حال اور تقاضے" نعت رسول ﷺ کے حوالے سے ماضی اور حال کی نعتیہ شاعری کا کثیر الجہت تنقیدی جائزہ ہے۔ ۲۱ صفحات پر مشتمل یہ مضمون نعتیہ ادب، مقالہ جات، شخصیات اور ان پر ہونے والی تحقیق کا تفصیلی جائزہ پیش کرتا ہے، جو اپنی طرز کی منفرد تحقیق ہے۔ اردو زبان میں نعت کی لسانی و ادبی تشکیل و تعمیر کا جائزہ دراصل برصغیر کی گذشتہ تین سو سال سے زائد عرصہ کو محیط تہذیبی تاریخ کا مطالعہ ہے، جو اردو شعریات کی جمالیات کے پس منظر میں سیرت مطہرہ کی تفہیم اور عشق رسول ﷺ کے جذبے کی فہم و بصیرت کو سمجھنے کا ایک سلسلہ ہے۔ اب تک کے نعتیہ ادب کا جائزہ لیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"نعت کے زمرے میں خصوصاً پی ایچ ڈی کی سطح پر جو مطالعات انجام دیے گئے ہیں، ان میں موضوعات کی اہمیت، افادیت بلکہ علمیت کے لحاظ سے، جو اس سطح کا عین تقاضا تھا، کم ہی ایسے کام ہیں جنھیں فکر انگیز، معلوماتی، سیر حاصل، اور جامع کہا جاسکے۔ کم ہی ایسے کام ہیں جنھیں اس سطح اور معیار کے مطابق سمجھا جائے، زیادہ تر شخصی مطالعات یا موضوعات کو جگہ دی گئی ہے۔ (۳۲)

ان کے بقول تحقیق کے ضمن میں ان کا معیار، جستجو، تلاش و محنت اور عرق ریزی ہے، ضروری ماخذ اور مصادر کی تلاش ہے۔ جس کے تقاضے بعض محقق پورا نہیں کرتے اور ان کی تحقیق شخصیت کے محض ایک پہلو پر مرکوز ہوتی ہے۔ وہ "نعت نگاری" کے موضوع کو محدود سمجھتے ہیں اسے عقیدت مندانہ رجحان کہا جاسکتا ہے، غیر جانبداری اور بے نیازی کا التزام نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے شخصیات کے ضمن میں جذباتیت کی ایک نمائندہ مثال "مولانا احمد رضا خاں، بحیثیت نعت گو" پر لکھے جانے والے مقالات کے حوالے سے دی ہے، جنہیں آٹھ افراد نے پی ایچ ڈی کا موضوع بنایا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کا اس حوالے سے استدلال ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی اپنی علمی و تصنیفی اور دینی خدمات میں نعت گوئی ایک جزوی پہلو ہے، اس پر آٹھ افراد کا کام کرنا نامناسب ہے۔ مولانا احمد رضا کے معاصر شعراء "محسن کاکوروی اور امیر مینائی کی مثال دیتے ہیں جن پر زیادہ کام نہیں ہوا۔ وہ مولانا احمد رضا خاں پر ہونے والے مطالعات پر فنی اعتبار سے عقیدت اور مصلحت کے اثر کو دیکھتے ہیں، جو تحقیقی معیار کے لیے مستحسن نہیں ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل اب تک کے نعتیہ مطالعات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے جو اہم نکات پیش کرتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ نعت گوئی پر تحقیقی مطالعات کو شخصیات پر منحصر اور مخصوص نہیں ہونا چاہیے۔ اگر نعت گوئی کی روایت کا اور تاریخ یا اس کے رجحانات اور فن کا مطالعہ مقصود ہو اور یہ ایک مخصوص دور، علاقے یا عصری یا معاشرتی حوالے سے موضوع بنیں، تو پھر مشترکہ رجحانات و مزاج کے حامل شعرا کی نعت گوئی کا اجتماعی مطالعہ کیا جاسکتا ہے اور یوں شخصیات موضوع بن سکتی ہیں۔ اس طرح تقابلی مطالعہ بھی گوارا کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ مطالعہ افادی نقطہ نظر سے بھی ہونا چاہیے، محض حصول سند یا مقام و منصب یا شہرت کی خاطر نہ ہو۔

۳۔ تحقیق کے معیار کا تعلق موضوعات سے ہی ہے، اس لیے موضوع کے انتخاب پر خصوصی توجہ ہونی چاہیے۔

۴۔ اکابر شخصیات جو چاہے ماضی قریب ہی سے تعلق رکھتی ہوں، صرف ایم فل کی سطح کے مطالعہ کے لیے ملحوظ رکھی جائیں، معاصر یا قریبی عہد کی شخصیات کا مطالعہ پی ایچ ڈی کے لیے موزوں نہیں۔ نعت کے حوالے سے ان پر تحقیقی کام ایم اے کی سطح پر ہو سکتا ہے۔

۵۔ نعت نگاری پر مطالعہ و تحقیق کے لیے عربی زبان سے واقفیت ضروری سمجھی جائے تاکہ اصل مصادر و ماخذ تک محقق کی رسائی ہو۔

۶۔ محقق کی "رسمیات مقالہ نگاری" سے واقفیت از حد ضروری ہے۔

۷۔ موضوع کا پرکشش اور منفرد ہونا بھی تحقیق کے لیے ضروری ہے، جس پر توجہ کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنی کتاب "پاکستانی زبان و ادب، مسائل و مناظر" ہے جو ۱۹۹۹ء میں "الوقار پبلی کیشنز، لاہور" سے شائع ہوئی میں "اردو زبان" کی پاکستان میں زبوں حالی پر قلم اٹھایا ہے۔ ان تمام مضامین میں انھوں نے تنقیدی انداز میں پاکستان کی معاشرتی صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف موضوعات پر قلم فرسائی کی ہے۔ ان تحریروں کے موضوعات و مباحث کا تعلق "پاکستان میں اردو زبان کی صورت حال اور بطور

قومی زبان ان کو پیش آنے والے مسائل، پاکستان میں تخلیق پانے والے ادب اور پاکستان میں تحقیق کی صورت حال اور مسائل ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تحریریں پاکستان کی لسانی صورت حال، ادبی تخلیقات اور تحقیقی کاوشوں کے تنقیدی جائزے پر ہیں۔ ان تحریروں کے موضوعات درج ذیل ہیں: "قومی زبان کی صورت حال، اردو میں انگریزی الفاظ کا استعمال، نسخ یا نستعلیق، مادری زبان، انگریزی زبان کی تدریس، ذرائع ابلاغ کا منفی کردار، ۱۴۔ اگست کے تقاضے، وغیرہ جو پاکستان کی معاشرتی صورت حال اور زبان وادب پر ان کی حساسیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اس کتاب میں "مطالعے" کے عنوان سے مختلف کتابوں کے تجزیات بھی لکھے ہیں۔ ان میں "پندار غزل، منجدھار، نمود، مضراب، نظمانے، کاکولیات، بلوچی ادب، حرف حرف تیشہ، گندم نما اور تاریخ اور کائنات شامل ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل بنیادی طور پر ایک محقق ہیں، ان کے تنقیدی مضامین کی تعداد نسبتاً کم ہے جن کی نوعیت بالعموم، ان کی تنقید تاثراتی یا تبصرے کی سی ہے۔ ہمارے ہاں بعض ناقدین اپنی کتب کی تعداد بڑھانے کے لیے اپنے مضامین کے موضوعات اور پیراگراف تبدیل کر کے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیتے ہیں۔ میں نے اسی نقطہ نظر سے ڈاکٹر معین الدین عقیل کے کام کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ ان ناقدین میں سے نہیں جو اس روش پر چلتے ہیں۔ بطور تنقید نگار وہ جب اپنا کوئی مضمون کتاب میں شامل کرتے ہیں تو اس مضمون کے آخر میں اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یہ مضمون کون سے رسالے میں اور کس سن میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل پر لکھے گئے تنقیدی مواد کی قلت کا ایک سبب ان کی کسی ادبی تحریک سے عدم وابستگی بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کی تنقید میں کلاسیکی متانت اور بے لوث اظہار پہلی نظر میں ہی متاثر کرتا ہے۔ انھوں نے ہمیشہ انکشافات حقیقت سے موضوعات کی نئی اہمیت ثابت کی، وہ پہلے نقاد ہیں جو ادبی اقدار اور معیار پر فن پارے کو پرکھتے اور ایک خوش سلیقہ ناظر کی طرح اس کے معائب و محاسن بیان کرتے ہیں۔ ان کے مضامین جو کہ تبصروں اور جائزوں پر مبنی ہیں اسی حسن تناظر کو پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل زیر بحث موضوع کی تاریخی اہمیت اور ابتدا کا سراغ لگاتے ہوئے اسے عصر حاضر تک لاتے اور اس کا تنقیدی اور تجزیاتی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ مختلف مشاہیر جن میں مرزا غالب، سرسید، علامہ اقبال، مولانا مودودی اور دیگر ادباء کے تحقیقی اور فکری گوشوں کو واضح کرنے کوشش کی ہے ۔ جنوبی ایشیا کے تاریخی حقائق کو جس عرق ریزی سے انھوں نے پیش کیا ہے وہ لائق تحسین ہے۔ قومی زبان اور اس کے متعلق معاشرتی رویوں کے زبردست ناقد ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اپنے تحقیقی، تجزیاتی اور تنقیدی انداز، لسانی و نظری مباحث کا جائزہ لینے اور متنوع موضوعات کو اپنے تنقیدی جائزے کا حصہ بنانے کی بدولت اردو کی فکری نگہداشت کرنے والے اہم محقق اور نقاد ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ رسمیات مقالہ نگاری۔ جامعہ کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر۔۲۰۰۹ء، ص ۷

۲۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ ابواللیث صدیقی کی لسانی خدمات مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔۱۹۹۹ء، ص ۱۲۸

۳۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ نثری نظم، جواز اور عدم جواز مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔۱۹۹۹ء، ص ۱۲۴

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۵

۵۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ دست تہ سنگ کی غزلیں مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔۱۹۹۹ء، ص ۲۸

۶۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۷۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۸۔ ایضاً، ص ۱۷۹

۹۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۱۰۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ فروغ بادہ اقبال۔۔۔ ماہر القادری مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔۱۹۹۹ء، ص ۲۸

۱۱۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ اردو تحقیق میں انفرادیت کی ایک مثال: حسام الدین راشدی مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔۱۹۹۹ء، ص ۲۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۹۸

۱۳۔ ایضاً، ۳۹۸

۱۴۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ اردو کی ادبی تاریخیں مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔۱۹۹۹ء، ص ۳۱۹

۱۵۔ ایضاً، ۳۲۸

۱۶۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ تعلیقات گارساں دتاسی مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۱۹۹۹ء۔، ص ۲۸

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۳۴

۱۸۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ سیدان بادشاہ گر مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۱۹۹۹ء۔، ص ۳۴۴

۱۹۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ تاریخ تناولیاں مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔۱۹۹۹ء، ص ۳۵۱، ۳۵۰

۲۰۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ تاریخ میں سرقے کی عالمی مثالیں مشمولہ پاکستانی زبان وادب، مسائل و مناظر۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔۱۹۹۹ء، ص ۳۶۰

۲۱۔ ایضاً، ۳۶۱

۲۲۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ نظریاتی نقطہ نظر سے مطالعہ پاکستان کی نصاب بندی مشمولہ تعلیم اسلامی تناظر میں۔ مرتبہ پروفیسر خورشید احمد۔ اسلام آباد۔۱۹۸۵ء،

۲۳۔ معین الدین عقیل۔ اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ۔ مشمولہ اردو تحقیق، صورت حال اور تقاضے لاہور: القمر انٹر پرائزز۔۲۰۱۴ء، ص ۳۷۲

۲۴۔ رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر۔ اردو نثر کا آغاز وارتقا (مقدمہ)۔ کراچی: ۱۹۷۸ء، ص ا
۲۵۔ ایضاً، ص ۲
۲۶۔ معین الدین عقیل۔ پاکستانی زبان وادب، مسائل ومناظر۔ الوقار پبلی کیشنز۔ لاہور: ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۸
۲۷۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۲۸۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ نئی غزل کا ایک نیا لہجہ۔ مشمولہ انگارے۔ ملتان، اکتوبر ۲۰۰۳ء۔ ص ۵
۲۹۔ معین الدین عقیل۔ غالب کا ذہنی سفر مشمولہ قومی زبان۔ کراچی: امیر خسرو نمبر دسمبر ۱۹۵۹ء، ص ۹۲
۳۰۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ اقبال اور نجدی تحریک مشمولہ فن وشخصیت۔ بمبئی: فیض نمبر ۱۹۸۳ء، ص ۳۹
۳۱۔ ایضاً، ص ۴۰
۳۲۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ تحقیق نعت، صورت حال اور تقاضے۔ مشمولہ نعت رنگ، اگست، شمارہ نمبر ۲۵۔ مرتبہ سید صبیح الدین رحمانی۔ کراچی: ٹرسٹ انٹر پرائزز۔ ۲۰۱۵، ص ۸۱